© rasailojaraid.com

چند نئی مصری مطبوعات

(از جناب مولانا مسعود عالم صاحب ندوی)

مصر عرب دنیا کا مرکز ہے اور وہی پورے عربستان کے لیے فکری غذا فراہم کرتا ہے۔ عرب ملکوں کی اسلامی تحریکوں اور فکری رجحانات کا سراغ لگانا ہو تو مصر کی مطبوعات اور علمی و ادبی تصنیفات کو کھنگالیے۔ خوش قسمتی سے مصر اس وقت ایک صحیح اسلامی دعوت کا مرکز بھی ہے، جس کے اثرات شام، عراق اور شرق اردن میں پوری طرح پھیل چکے ہیں۔ کویت، بحرین، حجاز، نجد، اور یمن کے ریگستان، چٹیل میدان اور سبزہ زاروں میں بھی یہ دعوت قدم جما رہی ہے۔ عربستان کے مغربی حصے (مراکش، الجزائر، طرابلس الغرب، تونس) میں ابھی اس کے اثرات نمایاں نہیں لیکن یورپ اور امریکہ کے عرب مہاجرین میں دعوت کا خاصا اثر ہے۔

ان حالات میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں اسلامی دعوت کے علم بردار عرب ملکوں کے فکری رجحانات اور اسلامی تحریکوں کا جائزہ لیتے رہیں، اور جو لوگ خود کسی وجہ سے عربی اخباروں اور کتابوں کا مطالعہ نہ کر سکتے ہوں وہ بھی اِن ملکوں کے نئے رجحانات اور فکری تبدیلیوں سے باخبر رہیں۔ یہ مختصر تحریر اسی سلسلے کی ایک حقیر کوشش ہے۔ اس میں مصر کی چند نئی مطبوعات پر تبصرہ کیا گیا ہے اور ان کے افکار و خیالات کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتابیں اور پمفلٹ بڑی تعداد میں آتے رہتے ہیں۔ ہم نے صرف چند نمایاں کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ اگر یہ سلسلہ پسند کیا گیا تو آئندہ بھی اِن صفحات میں کبھی کبھی عربی مطبوعات پر تبصرہ ہُوا کرے گا۔ ان شاء اللہ۔

ہاں! ان مصری مطبوعات کے ضمن میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے بعض رسائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔ وہ آج کل دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں عرب ملکوں کا دورہ کر رہے ہیں۔ مصر کی مرکزیت کے پیش نظر وہاں زیادہ قیام رہا اور مختلف انجمنوں کے زیر اہتمام متعدد خطبے دیے اور ہندوستان کی اسلامی تحریکوں اور فکری رجحانات کا تعارف کرایا۔ یہ رسالے مصر میں چھپے ہیں، اس لیے "مصری مطبوعات" کے ضمن میں ان کا تعارف شاید ناموزوں نہ خیال کیا جائے۔

(۱) مِنْ هُنَا نَبْدَأُ مصنف شیخ خالد محمد خالد ازہری۔ ضخامت ۲۴۴ صفحات۔ نام کا لفظی ترجمہ ہے "ہم یہاں سے شروع کرتے ہیں"۔

یہ کتاب مصر کے اُس دَور کی ترجمانی کرتی ہے جب اسلام وہاں بے کس تھا۔ ہر لکھنے والا جو چاہتا اسلام اور قرآن کے متعلق لکھ ڈالتا۔ گو اب حالات بدل چکے ہیں اور اس حد تک بدل چکے ہیں کہ طٰہٰ حسین، محمد حسین ہیکل اور عباس محمود عقاد جیسے کفر و الحاد کے داعی اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سیرتیں لکھ رہے ہیں۔ ان حضرات کے فکر و عمل میں کوئی تبدیلی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، مگر یہ واقعہ ہے کہ حالات کی تبدیلی سے بازار کی مانگ بدل گئی ہے، اور یہ حضرات ایکٹروں کی طرح "طلب" کے مطابق منڈی میں مال پہنچا رہے ہیں۔ ممکن ہے بعض سادہ دل مسلمانوں کو ہماری یہ بات حیرت انگیز معلوم ہو۔ مگر افسوس کہ صورتِ حال یہی ہے۔ ایک واقعہ سے اس کا اندازہ ہوگا۔ ان اصحابِ قلم میں سے ایک صاحب نے، جو ماشاء اللہ اسلامی نظامِ حکومت کے بڑے مداح ہیں، ایک مرتبہ فرمایا کہ "اگر رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی بنفس نفیس دوبارہ آکر اسلامی حکومت قائم کرنا چاہیں تو میں پہلا مخالف ہونگا" (العیاذ باللہ)۔ لیکن اس کے باوجود اب بازار کی مانگ دیکھ کر یہی لوگ اسلامی نظامِ حکومت کی اس طرح مدح سرائی کرتے ہیں کہ گویا ان سے بڑھ کر کوئی اس نظام کے قیام کا خواہشمند نہیں ہے۔

حالات کی اس تبدیلی کے باوجود کبھی کبھار مِنْ هُنَا نَبْدَأُ جیسی کتابیں اب بھی نکل آتی ہیں۔ بدنصیبی سے اس کے مصنف ازہر کے سند یافتہ عالم ہیں اور مصر میں دینی خدمات پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مامور رہ چکے ہیں۔ کتاب کا مقصود اصل میں یہ ثابت کرنا ہے کہ "اسلام حکومت کا کوئی نظام لے کر نہیں آیا" اور یہ کہ "حکومت اور دین، دو الگ الگ چیزیں ہیں"۔ علمائے ازہر کی طرف سے یہ کوئی پہلی مرتبہ کانی نہیں۔ آج سے کوئی پچیس برس پہلے علی عبدالرازق صاحب اسی موضوع پر الاسلام و اصول الحکم کے نام سے ایک کتاب لکھ چکے ہیں، جس پر ان کی عالمیت کی سند چھین لی گئی تھی اور انہیں "فضلائے شرعی" کے منصب سے بھی الگ کر دیا گیا تھا۔[1] اور تو اور خود شیخ مصطفیٰ المراغی (سابق شیخ الازہر) محمد حسین ہیکل کی کتاب "حیاۃ محمد" کے مقدمہ میں تحریر فرما چکے ہیں کہ "اسلام عقائد و عبادات کے باب میں تو مفصل اور قطعی بیانات لے کر آیا ہے، لیکن حکومت، معاشرہ اور خاندان وغیرہ کے متعلق اس کی تعلیمات بالکل مجمل اور مبہم ہیں"۔

یہ کتاب ضبط بھی ہوئی، پھر عدالت نے بری کر دیا۔ علمائے ازہر کو خاموش کرنے کے لیے جج نے اپنے فیصلے میں سابق شیخ الازہر محمد مصطفیٰ المراغی کے ان "ارشادات عالیہ" سے بھی استدلال کیا ہے جن کا ذکر ابھی اوپر آ چکا ہے۔

کتاب کے ۴ باب ہیں:

(۱) الدین ... لا الکہانۃ	کہانت[2] نہیں بلکہ دین۔
(۲) الخبز هو السلام	روٹی ہی میں امن ہے۔
(۳) قومیۃ الحکم	قومی حکومت یعنی حکومت کا شریعت الٰہی سے بے نیاز اور قومی حاکمیت پر مبنی ہونا
(۴) المرأۃ المعطّلۃ	معطل چھپڑا (عورتیں)

[1] چند سالوں کے بعد پھر عالمیت کی سند واپس مل گئی اور منصب بھی بحال ہو گیا۔ شیخ خالد کی سند فضیلت بھی مورد عتاب تھی۔ نہیں معلوم آخر فیصلہ کیا ہوا؟

[2] کہانت کا لفظ پاپائیت اور Priesthood کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مصنف کا مطلب یہ ہے کہ مذہب تو گوارا ہے مگر مذہبی طبقے یعنی علماء کا اقتدار گوارا نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے باب میں علماء کرام کی خبر لی گئی ہے اور انہیں دنیا کی تمام برائیوں کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔
دوسرے باب میں اشتراکیت کی دعوت ہے، مگر قانون کی شدت کے باعث دبے الفاظ میں یہ دونوں موضوع (علماء کی مذمت اور اشتراکیت کی تبلیغ) مصنف کو بہت مرغوب ہیں۔ ان کی نئی کتاب مواطنون (لا عایا[1]) (رعیت نہیں، بلکہ اہل وطن) جسے بعض نقاد اس رسوائے عالم کتاب کا "کفارہ" قرار دے رہے ہیں، بھی علماء کی جا و بے جا مذمت اور روس کی ثناخوانی سے پُر ہے۔ ہر جگہ امریکہ اور یورپ کے مفکرین کے اقوال سند کے طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ قرآن و حدیث سے بھی کام لیا گیا ہے، مگر مشکل ہی سے کوئی آیت یا حدیث کا کوئی ٹکڑا تحریف سے محفوظ رہا ہو۔
تیسرے باب میں خاص طور پر "الاخوان المسلمون" اور ان لوگوں سے خطاب ہے، جو اس دور میں اسلامی نظام حکومت کے داعی اور اس کے قیام کے لیے کوشاں ہیں۔ چوتھے باب میں عورتوں کی مظلومیت اور بے کسی کا رونا رویا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مصنف کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو ایک سمجھتے اور مسلمان قوم کی ہزار سالہ برائیوں اور بداعمالیوں کو غریب اسلام کے سر تھوپتے ہیں۔ "حکومۃ الحکم" کے باب میں دین کے جھوٹے علمبرداروں، بے اصول مسلمانوں اور عیاشی بادشاہوں کی تمام بداعمالیاں اسلامی حکومت کے حساب میں جمع کر دی گئی ہیں۔ اور تازہ مثال کے طور پر سعودی عرب کی تعلیمی و اقتصادی پستی اور اس کے بادشاہ اور شہزادوں کی عیاشیوں اور عیش پرستیوں کو اسلامی نظام حکومت اور دینداری کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے (صفحہ ۱۹۰-۱۸۶)۔ جب بنیاد ہی سرتا پا غلط ہو، تو نتائج کیوں نہ غلط اور گمراہ کن ہوں؟
کتاب میں بعض مفید معلومات بھی ہیں۔ روٹی ہی میں امن ہے (الخبز ہو السلام) کے سلسلے میں مصر کی اقتصادی حالت سے متعلق بعض ایسی حقیقتیں بیان کی گئی ہیں جن سے اس خطہ مبنی پاکستان

---

[1] مواطنون کو مصنف نے Nationals کے معنوں میں استعمال کیا ہے، جو لغت کے اعتبار سے صحیح نہیں۔ اور رعایا کو مظلوم و مقہور غلاموں کے مفہوم میں لائے ہیں، جو اس لفظ پر ظلم ہے۔ ایک ازہری عالم عبدالمتعال صعیدی نے (جو خود بھی بہکے ہوئے ہیں) لفظ رعایا کے غلط استعمال پر مصنف کو سختی کے ساتھ ٹوکا ہے۔

© rasailojaraid.com

کے باشندے عام طور پر ناواقف ہیں۔ زمین کی غیر فطری تقسیم (صفحہ ۱۱۵-۱۱۶)، بندوبست اراضی کے ظالمانہ قوانین، (صفحہ ۱۱۸-۱۱۹، ۱۳۹) اور ملازمین کی تنخواہوں میں حد درجہ تفاوت (صفحہ ۱۳۴)، اور اس قسم کے دوسرے مسائل سے متعلق مفصل معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک یہ حالات قائم ہیں، صرف تشدد اور فوجی قوانین سے اشتراکیت کا سیلاب نہیں روکا جا سکتا۔

آخری باب میں عورتوں کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، وہ حیرت انگیز ہے۔ مصر میں عورتوں کی تعلیم اور مغربی تہذیب کے اثرات اس درجے کو پہنچ گئے ہیں کہ سمجھ دار طبقے چیخ اٹھے ہیں۔ اور تو اور عورتوں کی جدید تعلیم اور بے پردگی کے حامی بھی بے حیائی کی اس رفتار سے گھبرا رہے ہیں۔ مگر ازہر کا یہ بگڑا ہوا شیخ اس پر بھی مطمئن نہیں۔ لے دے کر صرف پارلیمنٹ کی ممبری اور انتخاب کا حق عورتوں کو مصر اور دوسرے عرب ملکوں میں حاصل نہیں۔ خوش قسمتی سے عرب ملکوں کے علماء اور اہل نظر اس بات پر متفق ہیں کہ عورتوں کو عام ملکی نظم ونسق میں دخیل نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے "مہ نیل زادیوں" کی تمام ہنگامہ آرائیوں کے باوجود اب تک وہاں عورتیں ووٹ اور ممبری کے "کارو بار" سے الگ ہیں۔ کتاب کے مصنف اس پر بہت نالاں ہیں۔ اور یہاں یہ بات دلچسپی کے ساتھ سنی جائے گی کہ مصنف نے عورتوں کی صلاحیت کار کے سلسلے میں سب سے بڑی اسلامی حکومت پاکستان کی بے پردہ خاتون، بیگم شائستہ اکرام اللہ سہروردیہ کو حجت کے طور پر پیش کیا ہے نیز پاکستانی عورتوں کو بے محابا اور بے جھجک پریڈ کے لباس میں دیکھ کر بھی بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا ہے: (صفحہ ۲۱۱)

کتاب کا "تعارف" ذرا طویل ہو رہا ہے۔ آخر میں ایک بات اور سن لی جائے تو اچھا ہے۔ کتاب کی قیمت خاص طور پر بہت کم رکھی گئی ہے۔ اور ایک سال میں چار اڈیشن نکل چکے ہیں۔ نیز غیر ملکی عیسائی مشنریوں نے اس کی طباعت واشاعت میں خاص طور پر مدد کی ہے۔

(۲) مِنْ هُنَا نعلم (ہم یہاں سے جانتے ہیں) | مصنفہ محمد الغزالی۔ ۲۳۶ صفحے۔

- یہ خالد محمد خالد کی کتاب من هنا نبدأ کا جواب ہے۔ اس کے مصنف الاخوان المسلمون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سرگرم کارکن اور جوان صالح شیخ محمد الغزالی ہیں۔ اصل کتاب کے برعکس، تردید انتہائی سنجیدہ اور علمی اندازِ بیان میں لکھی گئی ہے۔ اور شیخ خالد کے مغالطوں اور غلط بیانیوں کو متانت اور قوتِ استدلال کے ساتھ بے نقاب کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے مصنف نے اسلامی نظامِ حکومت کو لیا ہے، جس کی دعوت ان کا مشن ہے اور جس کی راہ میں وہ قید و بند سے بھی سرفراز ہو چکے ہیں۔ مصنف کے ذہنی سلجھاؤ کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے شروع ہی میں اسلامی دستور کی حیثیت اور اہمیت واضح کر دی ہے۔ نجد و یمن کی حکومتوں کو وہ اسلامی حکومت تسلیم نہیں کرتے، گو وہاں شرعی حدود کا نفاذ ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں:-

"حدود شرعیہ ہی کل اسلام نہیں۔ . . . . فوجداری اور مالی قوانین دستور کے فروع ہیں۔ پہلے دستور کی تعیین اور تحدید ہونی چاہیے۔ اگر دستور ہی اسلامی نہیں، تو پھر فروع کی کیا قیمت؟ جزیرۂ عرب میں شخصی استبداد کے سوا کوئی "دستور" نہیں۔ اور جب حاکم کی زبانِ حال وہ دعویٰ کر رہی ہو جو فرعون کی زبانِ مقال نے کیا تھا[1]، تو پھر قانون اسلامی اور حدود کے نفاذ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔" (ص ۱۸-۱۷)

مصنف نے بڑی تفصیل سے اسلامی حکومت کے فرائض و واجبات گنائے ہیں اور دین و دنیا کی تقسیم کے اسباب و مفاسد پر بھی نظر ڈالی ہے۔ اسلامی حکومت اور عیسائیوں کی تھیاکریسی (Theocracy) کا فرق بھی لائق مصنف سے پوشیدہ نہیں۔ (ص ۲۵)
اسلامی حکومت کی خصوصیات اور قومی حکومتوں کی خرابیوں کی تفصیل پورے ۶۶ صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ مزید اقتباس دینا طوالت کا باعث ہوگا۔

اس کے بعد مصنف نے شیخ خالد کے محبوب و مرغوب موضوع پر گفتگو کی ہے۔ علماء کا مذاق اڑانے میں شیخ خالد کو بڑا لطف آتا ہے۔ وہ خود بھی ازہر کے سند یافتہ ہیں، شاید یہ احساس کمتری کا نتیجہ ہو۔ محمد الغزالی نے اس باب میں بے لاگ اور صاف باتیں کہی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ

[1] یعنی انا ربکم الاعلیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغربی مفکروں کے اقوال کی ضرورت کیا تھی؟ احادیث میں علماءِ سوء کے فتنوں اور فریب کاریوں کی صاف پیش گوئیاں موجود ہیں۔ علمائے اسلام کی تصنیفات میں پیشہ ور واعظوں اور دین کا کاروبار کرنے والوں (المتجرین بالدین) کے خلاف کیا کچھ نہیں کہا گیا ہے (صفحہ ۶۲-۶۷) شیخ خالد کی اس بات سے بھی الغزالی کو اتفاق ہے کہ اس وقت مصر میں دین کے نام نہاد ترجمان اور دینی انجمنوں اور درس گاہوں کے کرتا دھرتا دین کی خدمت نہیں کر رہے ہیں۔ اُن کے اپنے محدود تصورات ہیں، جن پر وہ خوش وخرم، ایک "وظیفہ خوار" کی طرح "شاہ" کو دعائیں دیا کرتے ہیں۔ اُن میں سے بعض مشہور مذہبی انجمنوں (الجمعیات الدینیہ) کا ذکر کرتے ہوئے، الغزالی لکھتے ہیں:-

"ایک انجمن ہے، جو روزہ نماز پر قانع ہے۔ اس کے کارکنوں کو معاشرتی معاملات پر توجہ دلایئے تو جواب ملے گا "ہم سیاسیات میں دخل نہیں دیتے"۔ دین کے اس فہم کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے فلسطین ہاتھ سے نکل گیا اور ان کے ہاتھوں میں جنبش تک نہ ہوئی۔ ایک دوسری شاندار انجمن ہے جو قبروں کی پرستش اور تقلید شخصی کے خلاف برسرپیکار اور محمد بن عبدالوہاب کی تعلیمات کے پھیلانے میں سرگرم[1] ہے جب ان سے پوچھیے کہ زندوں کی عبادت (عبادۃ الاحیاء) اور خود ابن عبدالوہاب کے وطن میں "طواغیت" کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا کیسا ہے؟ تو لبوں پر مہرِ سکوت لگ جاتی ہے"۔
صفحہ ۷۲-۸۰

یہ بحث صفحہ ۹۰ پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے بعد عورتوں کے مسئلے پر گفتگو کی گئی ہے (صفحہ ۹۱-۱۰۹)

[1] اس انجمن کے ماہانہ آرگن (الہدیٰ النبوی) کے نگران اعلیٰ اور مصر کے سب سے بڑے سلفی عالم اور محقق شیخ احمد محمد شاکر (جن کی تحریریں نظامِ اسلامی کی حمایت میں چھپ کر مقبول ہو چکی ہیں) نے تو گذشتہ دورِ استبداد میں حد ہی کر دی۔ یعنی الاخوان المسلمون کے کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔ العیاذ باللہ۔ اللہ کے دین کی راہ میں جان دینے والے کافر اور گھروں میں بیٹھ کر کتابوں کی ورق گردانی کرنے والے اسلام کے علمبردار۔ ع تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِس سلسلے میں صرف ایک چیز قابلِ ذکر ہے مصنف چہرے پر نقاب ڈالنا عورت کے لیے ضروری نہیں خیال کرتے اور اس پر انہیں اصرار ہے (ص۱۰۵)۔ کتاب کی اشاعت کے بعد "شباب سیدنا محمدؐ" والوں سے ان کی بحث بھی ہو چکی ہے۔

کتاب کا آخری اور چوتھا باب اسلام اور اشتراکیت (ص۱۳۳-۱۴۲) خوب ہے۔ شیخ خالد نے صدقہ اور زکوٰۃ کا مذاق اڑایا تھا۔ مصنف نے نہایت معقول اور مدلل طریقے پر صدقہ اور زکوٰۃ کی اہمیت واضح کی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقرباء (بنو ہاشم) کے لیے زکوٰۃ کا مال حرام قرار دیا ہے۔ اس کی عجیب وغریب توجیہیں کی جاتی ہیں۔ بعض لوگ اسے نسبی برتری پر محمول کرتے ہیں۔ شیخ خالد نے زکوٰۃ کے مال کی حقارت اِس کی وجہ قرار دی ہے مگر مصنف نے صحیح طور پر لکھا ہے کہ رسول کریمؐ نے داعی کی حیثیت سے ایثار سے کام لیا اور اپنے خاندان والوں کو ملکی آمدنی کے ایک بڑے ذریعے سے محروم کر دیا۔ یہ داعی کی خصوصیات ہیں۔ آخر نبی کی ذاتی جائداد بھی تو میراث نہیں بنتی۔ زکوٰۃ دین کا ایک اہم رکن ہے۔ اگر اس مال میں آلِ رسول کا حصہ ہوتا، تو کہنے والوں کو موقع ملتا۔ قرآن کریم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے لوثی اور پاک دامنی پر بار بار زور دیا ہے۔ زکوٰۃ کے مال سے بنو ہاشم کو محروم کرنا بھی اسی بے لوثی کی ایک مثال ہے۔ اس باب کے آخر میں مصنف نے ہمارے عربی رسالوں کا بھی ذکر کیا ہے:-

"ایک مہینہ ہوا، مولانا مودودی (رئیس جماعت اسلامی پاکستان) کے علمی رسالے مجھے ملے۔ میں نے انہیں دو دو تین تین بار (مثنیٰ وثلاث) پڑھا۔ میری حیرت وتعجب کی انتہا نہ رہی جب ہم نے اپنے ہندی بھائیوں کو اسلوب بیان، تدابیر اور حل، سب میں اپنے سے بہت قریب بلکہ بالکل موافق پایا۔"

؎ مصر کی ایک مذہبی انجمن، جو صرف عورتوں کی بے حیائی اور بے پردگی کے خلاف مصروفِ جہاد ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس باب میں ہمیں مصنف کی اصطلاح "الاشتراکیۃ الاسلامیۃ" (اسلامی سوشلزم) سے اختلاف ہے۔ مصر وشام میں ہمارے ہم خیال دوستوں نے "اسلامی سوشلزم" کی اصطلاح تقریباً قبول کر لی ہے۔ وہ شیوعیہ (کمیونزم) سے تو بہت برہم ہیں، مگر اظہار مدعا اور تفہیم عام کے لیے اسلامی اشتراکیت (اسلامی سوشلزم) استعمال کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ ہم انشاء اللہ انہیں اس طرف بار بار توجہ دلائیں گے۔ اسی طرح ایک جگہ مصنف نے جمال الدین افغانی، محمد عبدہٗ، احمد عرابی اور عبدالرحمٰن الکواکبی کو اسلامی حکومت کے داعیوں میں شمار کیا ہے (ص۴۸)۔ یہ صحیح نہیں[1]۔ سید جمال الدین مسلمان حکومتوں کا سیاسی اتحاد اور مغربی طاقتوں کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ محمد عبدہٗ کچھ دنوں تو اپنے استاذ کے ساتھ چلے، پھر ایک تعلیمی ومعاشرتی مصلح ہو کر رہ گئے۔ کہیں کہیں تو محمد عبدہٗ ہمارے ہاں کے سرسید، امیر علی اور چراغ علی کی صف میں آجاتے ہیں۔ احمد عرابی ایک فوجی لیڈر تھے۔ وہ نہ عالم تھے نہ مصلح۔ عبدالرحمٰن الکواکبی کے سیاسی اور دینی مصلح ہونے میں شک نہیں، مگر اسلامی حکومت کا داعی کہنا انہیں بھی مشکل ہے۔

بس یہی دو چیزیں کتاب کے فکری نظام میں ٹھیک نہیں بیٹھتیں۔ انشاء اللہ ہم انہیں اس طرف توجہ دلائیں گے۔

(۶) **الاسلام والاوضاع الاقتصادیۃ** (اسلام اور معاشی تشکیلات) تالیف محمد الغزالی: ۱۱۶ صفحے (دوسرا اڈیشن)

اقتصادی نظام اور اس کی مختلف تشکیلات کے باب میں دین کا موقف کیا ہے؟ یہ ہے کتاب کا موضوع۔

"میں نے صرف دین کے نصوص اور اس کے مآخذ پر اعتماد کیا ہے۔ تقابلی مطالعہ اور دوسرے نظاموں سے موازنہ کی کوشش نہیں کی گئی۔ مجھے نہ اس سے بحث ہے اور نہ میرے پاس اس کے وسائل ہی ہیں۔ اس کتاب کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ

[1] الاخوان المسلمون کے اکثر لکھنے والے اس فرق کو محسوس کرتے ہیں۔ احمد انس الحجاجی نے اپنے ایک رسالہ "رجل الساعۃ" (وقت کا آدمی) میں اسے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختلف اقتصادی افکار میں اسلام کا موقف کیا ہے۔" (ص۱)

مصنف کے الفاظ میں یہ کتاب کا مرکزی مضمون ہے۔ اُن کو اس بات کا بڑا درد اور شدید احساس ہے کہ سرمایہ داری اور کمیونزم کی رسہ کشی کے درمیان اسلام گم ہو کر رہ گیا ہے۔ دین کے علم بردار ایسے جامد اور بے خبر ہیں کہ وہ بے سمجھی میں یا جان بوجھ کر سرمایہ داری کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ اس لیے دین کی تعلیمات کو صاف اور منقح طور پر پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ہمیں خوشی ہے کہ محمد الغزالی اور ان کے رفقاء مقدور بھر اس کام کو کر رہے ہیں۔

مؤلف کے خیال میں قوموں کی ترقی، اخلاقی برتری اور عام اصلاح میں اقتصادی خوشحالی کا بڑا دخل ہے۔ مصنف کی رائے میں یہ مارکسی نظریۂ تاریخ نہیں۔ وہ کہتے ہیں:

"ہم معنوی اور روحانی اقدار کی اہمیت و تاثیر کے منکر نہیں۔ لیکن حقائق سے اپنی آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فقر و فاقہ کی ماری ہوئی سوسائٹی میں بداخلاقیوں کو پھیلنے اور سر اٹھانے کا خوب موقع ملتا ہے۔ احادیث میں اس طرف بار بار اشارہ کیا گیا ہے۔" (ص۵)

یہی وجہ ہے کہ مؤلف اور ان کے رفقا کے پروگرام میں اقتصادی اصلاح کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اور غالباً اسی سبب سے "اخوان" کو "کمیونسٹ" ہونے کا الزام بھی دیا گیا ہے۔ جناب "راٹبڑ" بھی کبھی کبھی اس طرح کی کرم فرمائی کر دیا کرتے ہیں۔

مسلمانوں کی معاشی بدحالی اور اخلاقی پستی کے اسباب پر بحث کرنے کے بعد مصنف نے علاج کی طرف توجہ کی ہے اور اس سلسلے میں بڑی سنجیدہ اور معقول باتیں کہی ہیں جن سے ان کی سوجھ بوجھ اور فکری صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ اتفاق سے وہ مسائل جن کی طرف مؤلف نے خاص طور پر توجہ کی ہے ہمارے ہاں بھی اُسی طرح اہم اور زیر غور ہیں جس طرح مصر میں، نیز علاج کے لیے بھی ہم اور وہ ایک ہی شفاخانہ (کتاب و سنت) کی طرف توجہ کرتے ہیں، اس لیے طبعی طور پر تشخیص میں بڑی حد تک توارد اور یکسانی پائی جاتی ہے۔ تاہم کہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہیں نسخوں میں جزئی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مولف نے سونے اور چاندی کے نصاب میں یکسانی پر بہت زور دیا ہے (ص ۹۵)۔ اسی طرح وہ طبیب، کاریگر، انجینئر اور دوسرے پیشہ ور طبقوں کی آمدنیوں پر زکوٰۃ عائد کرنے کے حامی ہیں (ص ۹۳) مصنف کا بیان ملاحظہ ہو:

"اسلام میں زکوٰۃ کہیں جمع شدہ مال پر عائد کی گئی ہے اور کہیں آمدنیوں پر۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جس شخص کی آمدنی اس کاشتکار کے برابر ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اس پر بھی اسی تناسب سے زکوٰۃ عائد ہونی چاہیے۔

اسلامی نظام میں یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ پانچ ایکڑ زمین کے مالک کسان پر تو زکوٰۃ واجب ہو اور ایسی عمارتوں کے مالک آزاد چھوڑ دیے جائیں جن کی آمدنی پچاس ایکڑ زمین کی آمدنی کے برابر ہو۔ یا ان طبیبوں سے کچھ نہ لیا جائے جو ایک دن میں اتنا کما لیتے ہوں جو غریب کسان اپنی پانچ ایکڑ زمین سے عمر بھر میں بھی نہیں حاصل کر سکتا۔ اس لیے ان سب پر زکوٰۃ عائد ہونی چاہیے۔" (ص ۹۳-۹۴)

لیکن اطمینان کی بات یہ ہے کہ مؤلف اور ان کے رفقا ان تجویزوں کو قطعی نہیں قرار دیتے یہ تجویزیں بہرحال تجویزیں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ:

"یہ ایک آدمی کے سوچنے کی بات نہیں۔ علماء اور اہلِ نظر کے تعاون سے کوئی چیز طے ہو سکتی ہے۔" (ص ۹۴)

مصر کی معاشی اصلاح کے سلسلے میں مؤلف نے اور چند تجویزیں پیش کی ہیں۔ ان سے بھی ان کے طرزِ فکر کا اندازہ ہوگا:۔

"(۱) عام ضرورت کی چیزوں کو قومی ملکیت قرار دینا۔ کمپنیوں کی اجارہ داری کو ختم کرنا اور کسی فردِ واحد کو "مرافق عامہ" میں تصرف کا حق نہ دینا۔

(۲) بڑی زمینداریوں کو کم کرنا اور زرعی مزدوروں کو تدریجی طور پر زمینوں کا مالک بنانا

(۳) جمع شدہ دولت پر ٹیکس عائد کرنا۔

© rasailojaraid.com

(۴) غیر ملکیوں سے زمین واپس لینا۔

(۵) مزدوروں کی مزدوری کو کارخانوں کے منافع کے ساتھ اس طرح وابستہ کرنا کہ عام مزدوری کے علاوہ، منافع میں بھی کچھ اُن کا حصہ ہو۔

(۶) میراث پر متزاید محصول (ضریبۂ تصاعدیہ Progressive rate of taxation) عائد کرنا اور منشاء قرآنی کے مطابق اسے مفادِ عامہ کے کاموں میں خرچ کرنا۔"

یہ تجویزیں شاید کچھ سخت اور انتہا پسندانہ معلوم ہوں، مگر مصر کی موجودہ معاشی صورتِ حال کا یہ لازمی ردِ عمل ہے۔ شاید پاکستان میں سندھ کے علاوہ کوئی ایسا علاقہ نہیں جہاں امیر و غریب کے درمیان مصر جیسا معاشی تفاوت ہو۔ مصر میں صرف اہرام ہی نہیں۔ یہاں اور بھی عجائبات ہیں۔ فراعنہ کی زمین صحیح معنوں میں مجموعۂ اضداد ہے۔

اِن سب کے بعد مصنف نے کتاب کے آخر میں جو کچھ لکھا ہے اُس سے اُن کے ذہن کی صفائی اور دماغی سلجھاؤ کا پتہ چلتا ہے:۔

"سیاسی استبداد، سرمایہ دارانہ ظلم اور مصنوعی دینداری، مشرق کی پرانی بیماریاں ہیں ــــ اور اس سے بھی بڑی پستی یہ ہے کہ ان "بیماریوں" کی پرورش اور پرداخت کے لیے غریب اسلام کو استعمال کرنے کی کوشش کی جائے۔

بعض مذہبی جماعتوں کے خیال میں دین صرف ایمان بالغیب، روزِ آخر پر یقین اور چند عبادتوں کا نام ہے۔ ان کے ساتھ کچھ شخصی قوانین اور انفرادی احکام کا پیوند بھی لگا لیا جاتا ہے۔ یہ جماعتیں اسی تنگ دائرے میں دین کی خدمت کرنا چاہتی ہیں۔ سیاسی ڈکٹیٹر شپ اور اقتصادی سرمایہ داری کے ساتھ ساتھ اگر یہ اپنے مزعومہ مقصد میں کامیاب بھی ہوں، تو ان کی کامیابی و ناکامی دونوں برابر ہیں۔ جب تک برسرِ اقتدار فرعونیت (الفرعونیۃ الحاکمۃ) اور سرمایہ دارانہ قارونیت (القارونیۃ الکانزۃ) اللہ کی زمین میں فساد برپا کر رہی ہیں اور بنی نوعِ آدم کا خون بہا رہی ہیں، تعلیماتِ اسلام کی حیثیت

© rasailojaraid.com

نقش بر آب سے زیادہ نہیں ہوگی" (صـ۱۱۱)

کتاب میں اور بھی مفید بحثیں ہیں۔ ایک مصنف کے تمام افکار و خیالات سے کسی تبصرہ نگار کا متفق ہونا بہت مشکل ہے، پھر بھی مجموعی حیثیت سے کتاب جدید مصری لٹریچر میں خوش آئند اضافہ ہے۔

(۴) **الاسلام المفترىٰ علیہ بین الشیوعیین والرأسمالیین** (کمیونسٹوں اور سرمایہ داروں کی رسہ کشی میں بدنام اسلام کا موقف) تالیف محمد الغزالی۔ ۱۷۶ صفحے۔

یہ شیخ محمد الغزالی کی تازہ تصنیف ہے۔ موضوع بحث پہلی کتاب سے ملتا جلتا ہے۔ مصنف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اسلام سرمایہ داری اور "شیوعیت" (کمیونزم) دونوں کا دشمن ہے اور یہ دونوں بھی اسلام اور دین کے یکساں دشمن اور مخالف ہیں۔ کتاب میں چھ باب ہیں:-

(۱) تمدن کی رفتار و ارتقاء پر الحاد و ایمان کی کشمکش کا اثر (صـ۱۱-۲۶)

(۲) اخوت عامہ کے ارکان (صـ۲۷-۶۵)

(۳) اسلام میں اجتماعی عدل کے نمونے (صـ۶۶-۸۸)

(۴) اسلامی قانون، نظام معیشت کی تبدیلیوں کا ساتھ دیتا ہے (صـ۸۹-۱۳۲)

(۵) اسلام کے سرکاری ترجمان (صـ۱۳۳-۱۵۳)

(۶) درس عبرت (صـ۱۵۶-۱۷۳)

پہلی چیز جو کتاب کی ہر ہر سطر میں نمایاں نظر آتی ہے، وہ ایک داعی کی تڑپ ہے۔ مثال کے طور پر پہلے باب کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:-

"یورپ میں دین اپنا آزاد تشخص کھو چکا ہے۔ مختلف کج فہمیوں نے اسے بے بس کر رکھا ہے۔ یہودیت، انتہا پسند صیہونیت کی شکل اختیار کر چکی ہے اور مسیحیت کی حیثیت شہنشاہیت کے آلۂ کار سے زیادہ نہیں۔ اب ان لوگوں کی تمنا یہ ہے کہ اسلام بھی اپنا تشخص اور اپنی خصوصیات کھو کر، کسی دوسرے نظام فکر کی آغوش میں زندگی بسر کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر قائم ہو جائے۔ اور پھر سرکش صیہونیت اور ظالم امپریلزم (جو پرانی "صلیبیت" کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے) کی طرف صلح و آشتی کا ہاتھ بھی بڑھائے۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ مقابلہ اور جدوجہد، اس دین کی فطرت ہے۔ مسلمانوں پر نہیں، بلکہ پوری دنیا پر ظلم ہو گا اگر فکر و عمل کی دنیا سے اس امت کو الگ کر دیا جائے جو کتاب و سنت پر عمل پیرا، اس کا احترام کرنے والی اور زندگی کی تمام مشکلات میں اس کی طرف رجوع کرنے والی ہے، جس کے لئے دینداری عار نہیں، بلکہ عزت کا باعث ہے، اور ایمان باللہ اور روز آخر پر یقین جس کے لیے باعث اطمینان و سکون ہی نہیں، سرمایۂ سعادت اور توشۂ آخرت بھی ہے۔ یورپ کے لیے ہماری یہ پوزیشن ناقابل قبول ہے تو ہم بھی اس سے کم پر راضی نہیں۔ دیکھیں، اس کشمکش کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ (اِنَّ اُورُبَّا تَاْبٰی عَلَیْنَا ذٰلِکَ، وَنَحْنُ نَاْبٰی اِلَّا ذٰلِکَ، وَسَنَرٰی مَا یَکُوْنُ" (ص ۲۱)

مصنف نے اپنی دوسری کتابوں کی طرح یہاں بھی اس حقیقت پر بہت زور دیا ہے کہ کمیونزم کا مقابلہ صرف فتووں سے نہیں ہو سکتا۔ جب تک ملک کا معاشی توازن درست نہیں ہو گا اور اسلامی عدل کی برکتوں سے قوم متمتع نہیں ہو گی، تمام تشدد اور رکاوٹوں کے باوجود کمیونزم کی فتنہ سامانیاں فساد پھیلاتی رہیں گی۔

"اسلام میں اجتماعی عدل کے نمونے" پیش کرتے ہوئے مصنف نے عمرؓ فاروق اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت کی کافی مثالیں دی ہیں۔ ساتھ ساتھ حضرت ابوذر غفاریؓ کے نظریۂ مال کی پوری تائید کرتے ہوئے اس پر بڑی مفصل بحث کی ہے۔ بنو امیہ اور امیر معاویہؓ سے قدرتی طور پر وہ خوش نہیں ہیں۔ حضرت ابوذرؓ کی شدت بھی اصل میں امیر معاویہ ہی کی بے اصولیوں کی پیداوار تھی۔ کعب احبار جیسے لوگوں کے فتووں نے بھی آگ پر تیل کا کام دیا۔ حضرت ابوذرؓ کے باب میں حضرت عثمانؓ کی شدت کو بھی مصنف صحیح نہیں خیال کرتے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"مجھے یقین ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ غیب جانتے ہوتے اور انہیں معاویہ کی ان کارروائیوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خبر ہوتی جو وہ اپنے خاندان کے مستقبل کے لیے کر رہے تھے ـــــ اگر انہیں ذرا بھی اس کا اندازہ ہوتا تو وہ سابقین اولین میں سے ایک سب سے لوث اور پاکباز صحابی کے ساتھ ایسا ناروا سلوک نہ کرتے (ص ۶)

ازہر کے ایک فتوے کی بھی مؤلف نے پر زور تردید کی ہے۔ فتوے کا خلاصہ یہ ہے کہ "زکوٰۃ اور خراج وغیرہ کے علاوہ مال پر اور کوئی حق واجب نہیں"۔ اولاً تو یہ بات صحیح نہیں۔ دوسرے اس سے مفاد پسند طبقوں کی حمایت مقصود تھی۔ مصر کی اکثر جاگیریں غصب اور حرام طریقوں سے حاصل کی گئی ہیں۔ اجارہ کے قوانین انتہائی ظالمانہ ہیں۔ کسانوں کو دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں۔ ان حالات میں اگر حکومت مفاد عامہ کے پیش نظر کوئی ٹیکس عاید کرنا چاہے تو اسے ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ اہل فتویٰ کا فرض یہ ہے کہ وہ ماحول اور پس منظر کو سامنے رکھ کر فتویٰ دیں اور سرمایہ داروں کے ناروا [illegible] کا ذریعہ بننے سے بچنے کی کوشش کریں۔ مصنف نے مصری جاگیروں کے متعلق ایک لطیف بات اور کہی ہے۔ "جناب مفتی کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ زکوٰۃ نہ ادا کرنے پر نصف مال کی ضبطی کا حکم صادر فرمایا تھا۔ یہاں ہمارے مالدار طبقوں نے تو اپنی زندگی میں ایک پائی بھی کسی فقیر کو نہیں دی۔ ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ کیا یہی انصاف ہے۔ ان ظالموں کے ظلم کی پردہ پوشی کی جائے اور فاقہ مست کسانوں کے سامنے "تقدیر" اور "محبوبیت" پر خطبہ کہا جائے"؟ (ص ۴۲)

کتاب میں اس طرح کی اچھی اور مفید بحثیں اور بھی ہیں۔ مصنف کا انداز فکر واضح۔ اور طرز بیان سلجھا ہوا ہے۔ زبان بھی اچھی اور عالمانہ ہے کسی مؤلف کے ہر ہر حرف سے تو اتفاق مشکل ہے، البتہ ان کے عام فکری رجحان سے ہمیں پورا اتفاق ہے اور ہم ان کی کتابوں کو عربستان کے لیے فال نیک سمجھتے ہیں۔

البتہ ہمیں ان کی اصطلاح اسلامی سوشلزم (الاشتراکیۃ الاسلامیہ) سے سخت اختلاف ہے۔ گو ان کے بیان کے مطابق تفہیم عام کے لیے یہ اصطلاح اختیار کی گئی ہے۔ مگر اس سے بڑی غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں اور ان کے ایک آدھ بیان سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید وہ "سوشلزم" کو اچھی طرح سمجھتے بھی نہیں ہیں۔ (ص ۱۴۴)

(باقی)

© rasailojaraid.com